© rasailojaraid.com

جدید عربی ادب میں افسانہ نگاری کی نشوونما

ڈاکٹر عبدالحق، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ عربی، جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی

جدید عربی ادب میں افسانہ نگاری کی نشوونما پر گفتگو سے قبل، قدیم عربی ادب میں کہانی کی حیثیت پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے تو اچھا ہے۔

قدیم ہو کہ جدید عربی ادب افسانہ نگاری میں مابہ الامتیاز حیثیت رکھتا ہے۔ قدیم عربی ادب میں کہانیاں "قصص الامثال" کے نام سے کثیر تعداد میں پائی گئی ہیں۔ مشہور مؤلف "میدانی" نے ان کہانیوں کو اپنی کتاب "الامثال" میں جمع کر دیا ہے۔ قدیم عربی ادب میں کچھ مختصر ناولیں بھی ہیں جو "الروایات القصیرۃ" کے نام سے موسوم ہیں۔ اور جن کی نسبت اعرابیوں کی طرف کی گئی ہے۔ ان میں سے کچھ کو "ابن درید" نے جمع کیا ہے اور "ابو علی" نے اپنی کتاب "الامالی" میں ذکر کیا ہے۔ قدماء عرب نے بے حساب فلسفی اور مذہبی کہانیاں بھی لکھی ہیں۔ ان کہانیوں میں عرب ادباء اسرائیلی (یہودی) اور نصرانی (عیسائی) کہانیوں سے بے حد متاثر نظر آرہے ہیں۔ ان کہانیوں کو ہم "قصص الانبیاء" کے نام سے جانتے ہیں۔

قدیم عربی ادب میں سماجی کہانیاں بھی بے حد مشہور ہیں جو عباسی عہدوں میں اوج کمال تک پہونچ چکی تھیں۔ ان کہانیوں میں "الف لیلہ ولیلہ" کی کہانیاں، جیتی جاگتی مثالیں ہیں۔ قدماء عرب "فوکلور" عوامی کہانیوں میں ید طولیٰ رکھتے ہیں ....

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

.... ان کہانیوں میں عنترہ، ابو زید ہلالی، سیف ابن یزن، امیرۃ ذات الہمۃ اور صلاح الدین ایوبی بے حد مشہور رہیں۔ ان کے علاوہ قدیم عربی ادب میں مختصر کہانیاں بکثرت پائی گئی ہیں۔ مثلاً بلاغت و بیان اور لغت کے اغراض میں ہمدانی، حریری، زمخشری اور ابن جوزی کے "مقامات" دینی و مذہبی اور فلسفی مقاصد میں ابو العلاء المعری کا "رسالۃ الغفران"، ابن شہید اندلسی کا "رسالۃ التوابع والزوابع" اخوان الصفاء کا "محاکمۃ الجن"، اندلسی فلسفی ابن طفیل کا "حیی بن یقظان" اور ابن سینا کا "سلامات و سلمان"۔ نیز مفاخر اور دوسرے مقاصد میں مختلف کہانیاں کثیر تعداد میں ہنوز مشہور اور رائج ہیں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ عرب ادباء جاہلی عہد سے اب تک دوسری اقوام کی طرح افسانہ نگاری میں بے حد دلچسپی رکھتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

قدیم عربی کہانیوں میں اہل یورپ نے بھی غیر محدود دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے اور وہ ان کہانیوں سے بے حد متاثر نظر آرہے ہیں۔ پروفیسر گب (Gibb) کہتا ہے "عربوں نے اہل یورپ کو سندباد جیسی کہانیوں سے متعارف کرایا ہے جو یورپ کے جدید خیالی ادب کے لئے خمیر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ کیونکہ یہی وہ ادب ہے جس نے یورپ کے تقلیدی ادب کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا ہے اور اس کی جگہ لے لی ہے جس کی بدولت یورپ میں رومانسی ناولیں وجود میں آئی ہیں"۔ پروفیسر گب نے "الف لیلہ و لیلہ" کی کہانیوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے۔ "یہ کہانیاں سنہ ۱۷۰۴ء میں ترجمہ کی شکل میں ظاہر ہوئی ہیں اور مغربی خیالی ادب کے لئے قوی ترین معاون ثابت ہوئی ہیں۔ ان سے یورپ کو بہت فائدہ پہونچا ہے۔ یورپ کے

۔ دیکھو گب کی مشہور کتاب "Arabic Literature" ص ۱۰۷ اور اس کے ما بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہانی نگاروں نے اپنی کہانیوں میں ان کہانیوں کی تقلید کی ہے۔ اور اس سے مغربی قوموں کو بے انتہا فائدہ پہونچا ہے۔ کیونکہ اس امتزاج اور خلط وملط سے "رونیسون"، "سانتاکروز" اور "غالیفر" جیسی کہانیوں نے یورپ میں جنم لیا ہے[۱]۔" پروفیسر گب کی نظر میں "الف لیلہ ولیلہ" کی کہانیاں عالمی آداب میں مابہ الامتیاز شان اور ممتاز اور ابدی حیثیت رکھتی ہیں[۲]۔"

مستشرقین میں "کارادی فو" کہتا ہے کہ کہانی کے میدان میں کوئی بھی ادب عربی ادب پر سبقت نہیں لے جا سکا ہے"۔ اور مکائیل کہتا ہے "یورپ اپنی کہانیوں میں عربوں کا مرہون منت ہے"، لیکن کچھ مستشرقین ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ عربوں نے اپنے عہد ترقی میں دوسری اقوام کے فلسفے اور علوم وفنون کو اپنی زبان میں منتقل تو کیا ہے، لیکن ادبی کارناموں کو اس طرح نظر انداز کر دیا ہے کہ عظیم ادبی کارنامے عربی زبان میں کالعدم ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عرب فن کہانی کے قواعد وضوابط سے ناواقف رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے عربی کہانیاں فنی حیثیت سے کوئی وقعت نہیں رکھتی ہیں۔ اس رائے سے عرب ادبار کی ایک بڑی جماعت بھی متفق نظر آتی ہے۔ اس سلسلہ میں عبدالعزیز البشری کی رائے کا اہم خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ کہانی نگاری کے فنی قواعد یعنی کیریکٹرز کی تخلیق، زمان ومکان کی حد بندی، واقعوں کی ایجاد اور کردار کی خصوصیات پر مشتمل کہانی عربی ادب میں مفقود ہے[۳]۔"

لیکن ہم بصد تواضع کہنا چاہتے ہیں کہ قدیم عربی ادب اپنے مختلف عہدوں میں فنی قواعد وضوابط پر مشتمل طویل کہانیوں سے خالی تو ہے، لیکن وہ اپنے ان عہدوں میں مختصر اور کامیاب کہانیوں سے پُر ہے۔

۲۔ دیکھو گب کی مشہور کتاب "Arabic Literature" ص ۱۰۷ اور اس کے بعد۔

۳۔ دیکھو البشری کی کتاب "المختار"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی ادب میں کہانیوں کا جائزہ

اب ہم مختلف مرحلوں کے عربی ادب میں کہانیوں کا ایک سرسری جائزہ لیتے ہیں۔

جاہلی عربی ادب میں کہانیوں کی نشوونما فطری طور پر ہوئی ہے۔ عرب اپنے حلقوں اور خیموں میں اپنے آباو اجداد کے فضائل و مفاخر، میدان جنگ میں ان کی شجاعت و بہادری محبت میں ان کا خلوص اور وفا اور ان کے احوال وکوائف اور کارنامے کہانی کی شکل میں بیان کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ عنترہ جاہلی عہد کا ایک مشہور ہیرو، قبیلہ شیبان کا سردار بسطام ابن قیس، قبیلہ کنانہ کا بہادر ربیعہ ابن مکدم، قبیلہ جشم کا لیڈر درید ابن الصمۃ اور ان جیسے دوسرے بہت سے ہونہار عرب فرزندوں کے سیاسی اور جنگی کارنامے مختلف راویوں کے ذریعہ کہانیوں کی شکل میں جاہلی ادب میں بکھرے پڑے ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جاہلی ادب کی یہی کہانیاں اسلامی، اموی اور عباسی عہدوں میں عربی ادب کی کہانیوں کا سنگ بنیاد بنی ہیں۔

اسلامی اور اموی عربی ادب میں عربی کہانی کی رفتار بڑھتی گئی۔ ان دونوں عہدوں میں عربی کہانی خاص کر دینی اور مذہبی کہانیوں کی بنیاد جاہلی ادب میں کہانیوں پر پڑی ہے۔ چنانچہ مذہب، انبیاء اور رسل کی روایتیں، وعظ و نصیحت اور ترغیب و ترہیب کی شکل میں عام ہوئی ہیں۔ اور تمیم الداری اور سلیم التجیبی جیسے قصہ گو ان دونوں عہدوں میں شہرہ آفاق تک پہونچ گئے تھے۔ ان مذہبی کہانیوں کے مصادر و مآخذ میں توراۃ، انجیل اور قرآن کے ساتھ ساتھ راویوں کی روایتیں بھی اہم حیثیت رکھتی ہیں۔

موسیٰ سلیمان کی کتاب "الادب القصصی عند العرب" کے مطالعہ سے ہم پر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اسلامی اور اموی عہدوں میں کس طرح حقیقت، خیال سے اور تاریخ، اساطیر سے گھل مل گئی ہیں، چنانچہ ایک کہانی میں کہا جاتا ہے کہ آدم سفید چاندی کی طرح تھے۔ اللہ نے ان کو جنت کا لباس پہنایا تھا اور وہ مختلف زینت کے سامان سے مزین کئے گئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے اور ان کو ایک تخت پر بٹھایا جاتا تھا جس کو فرشتے اپنے کندھوں پر رکھ کر گھوما کرتے تھے تاکہ وہ سموات کے عجائب و غرائب کا نظارہ کرتے رہیں۔ پھر آدم کو ایک میمون نامی گھوڑے پر بٹھایا گیا تھا اور یہ گھوڑا مشک سے بنایا گیا تھا۔ اس کے دو پر تھے ایک جواہر کا اور دوسرا موتیوں کا۔ اس کی لگام جبریل کے ہاتھوں میں ہوتی تھی اور میکائیل گھوڑے کے دائیں جانب اور اسرافیل اس کی بائیں جانب ہوتے تھے اور اس طرح آدم کو سیر کرائی جاتی تھی۔

ابراہیم کی کہانی میں کہا گیا ہے کہ جب وہ بچہ تھے تو وہ اپنی پانچوں انگلیوں کو چوسا کرتے تھے ایک سے شہد نکلتا تھا، دوسری سے شراب، تیسری سے دودھ نکلتا تھا تو چوتھی سے گھی اور پانچویں سے پانی[۵]

عباسی عہد کے عربی ادب کی کہانیوں میں ترقی مزید ہو گئی۔ اس ترقی کا سبب مختلف فارسی و ہندی و یونانی دروں کی ثقافت اور فنون کی کثرت اور ان کا رواج تھا، چنانچہ ابن طفیل کی کہانی "حی بن یقظان"، ابوالعلاء المعری کی کہانی "رسالۃ الغفران" جو فلسفیات میں ہیں۔ ہمدانی اور حریری کے "مقامات" جو لسانیات میں ہیں۔ "کلیلہ و دمنہ" اور "الف لیلہ و لیلہ" کی کہانیاں جو اخلاقیات میں ہیں اور عنترہ بن شداد کی کہانی جو جوانمردی اور بہادری میں ہے، بے حد مشہور کہانیاں ہیں۔ عنترہ کی کہانی تو یونانی کہانی "الیاذہ" کی طرح مانی جاتی ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ عربوں کا "الیاذہ" ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کہانی میں اگر ہم جدید کہانی نگاری کے فنی قواعد سے قطع نظر غور کریں تو اس میں عہد جاہلی کے ماحول اور اس عہد میں عربوں کی نفسیات واضح طور پر آشکارا ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مشرق و مغرب کے ادبار و علمار کے ایک جم غفیر نے

۵۔ دیکھو موسیٰ سلیمان کی کتاب "الادب القصصی عند العرب" طبع ثانی ص ۱۴۳ اور اس کے بعد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کہانی کو اپنے درس و بحث میں لایا ہے۔ "الف لیلہ و لیلہ" کی کہانیوں نے تو اس قدر شہرت حاصل کی ہے کہ عالمی زبانوں میں ان کا ترجمہ اجمالی اور تفصیلی دونوں شکلوں میں ہوا ہے، اور ان سے مختلف عالمی آداب، نے استفادہ کیا ہے۔

ان کے علاوہ عباسی عہدوں کے عربی ادب میں بڑے بڑے ادباء جیسے جاحظ اور اصفہانی کی کتابوں میں اچھا طرز بیان اور عمدہ طرز نگارش میں بے شمار کہانیاں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ یہ کہانیاں اصول فن قصہ پر مبنی نہیں ہیں۔ تو یہ عناصر کہانی سے خالی بھی نہیں ہیں۔

جدید عربی ادب میں کہانی کی حیثیت

انیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی جب عرب دنیا میں سیاسی، سماجی اور ادبی بیداری پیدا ہوئی تو سب سے پہلے جنھوں نے کہانی سے تعرض کیا۔ وہ اہل لبنان تھے۔ انھوں نے جدید تہذیب و تمدن کی روشنی میں اپنے سماج میں ترجمہ، اقتباس، نقل اور تخلیق کی شکلوں میں بیک وقت عربی زبان کو کہانی سے متعارف کرایا ہے۔

جدید عربی ادب، میں کہانی اپنی فنی تشکیل کے اعتبار سے چار قسموں میں منقسم ہے:

(۱) روایہ (ناول) (۲) حکایہ یعنی وہ کہانی جس میں فن کہانی نگاری کے قواعد کا التزام نہیں کیا جاتا ہے۔ (۳) قصہ قصیرہ (مختصر کہانی) (۴) اقصوصہ یعنی مختصر کہانی سے بھی مختصر، جس میں واقعہ یا منظر کی تفاصیل اور جزئیات کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے۔ عربی کہانی میں عناصر لگ بھگ چھ پائے جاتے ہیں: (۱) حادثہ (واقعہ) (۲) کہانی کی تشکیل (۳) کہانی میں طرز بیان (۴) کہانی کے کردار (۵) کہانی میں زمان و مکان (۶) کہانی کا تصور۔

جدید عربی ادب میں کہانی تین اہم مرحلے سے گذری ہے۔ پہلا مرحلہ ترجمہ، اقتباس اور قدرے مسجع نثر میں کہانی نگاری کا مرحلہ ہے۔ اس مرحلہ میں عربی کہانی، ناول اور

اہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختصر کہانی ـ حکایہ اور اقصوصہ چار شکلوں میں ظاہر ہوئی ہیں۔ ان کہانیوں کی ترویج اور اشاعت میں اخبارات اور رسالوں نے اہم رول ادا کیا ہے۔ لبنانی ادیب بطرس البستانی کا ادبی رسالہ "الجنان" جو ۱۸۷۰ء میں نکلا تھا "رائد" کی حیثیت رکھتا ہے۔ مصر میں لبنانی ادیب جورجی زیدان کے ادبی رسالے "المقتطف"، "الہلال" نے عربی کہانی کی ترویج میں مابہ الامتیاز رول ادا کیا ہے۔ ان کے علاوہ خاص کر کہانی سے متعلق "سلسلۃ الفکاہات" (۱۸۸۵ء) "منتخبات الروایات" (۱۸۹۴ء) "سلسلۃ الروایات" (۱۸۹۹ء) "مسامرات الندیم" (۱۹۰۳ء) اور "الراوی" (۱۹۰۹ء) نکلتے رہے اور ان میں مختلف قسم کی کہانیاں شائع ہوتی گئیں۔

عربی کہانی کا دوسرا مرحلہ ترجمہ، اقتباس اور قدیم مسجع و مقفع نثر میں افسانہ نگاری سے چھٹکارا حاصل کرنے کا مرحلہ ہے۔ اس مرحلہ کی مترجمہ کہانیوں میں "ہنری بوردو" کی کہانی (طوفان کے بعد) "کونٹ داش کی کہانی" (پیرس کی خوبصورت لڑکی) اور "اسکندر دوماس" کی کہانی (تین گھوڑ سوار) خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ اگرچہ ان کہانیوں کے ترجمہ میں بہت سی خامیاں ہیں، ان کے مترجمین کا جو فضل جدید عربی ادب میں کہانی کی ترقی میں ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اس مرحلہ میں ہی تخلیقی کہانیوں کی ابتداء ہوئی۔ ان تخلیقی کہانیوں میں مصر کے ادبار "المویلحی" کی (حدیث عیسیٰ بن ہشام) "حافظ ابراہیم" کی (لیالی سطیح) محمد لطفی جمعہ کی (لیالی الروح الحائرہ) "مصطفی صادق الرافعی" کی (المساکین) اور لبنان کے ادیب سلیم البستانی اور دوسرے افسانہ نگار کی ناولیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کہانیوں میں طرز نگارش عباسی عہد کے حریری اور ہمدانی کی طرز نگارش سے ملتی جلتی تو ہے لیکن ان میں مغربی تہذیب اور تمدن کے آثار بیّن طور پر پائے جاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی کہانی کا تیسرا مرحلہ اس کے دوسرے مرحلے سے نمایاں طور پر مختلف ہے۔ کیونکہ اس مرحلہ میں عربی کہانی یورپ کی فن کہانی کے قواعد پر قائم ہو گئی تھی چنانچہ مصری ایڈوکیٹ اور ادیب محمد حسین ہیکل (تاریخ میلاد ۱۸۸۸ء) کی ناول (زینب) مغربی کہانی کے فنی عناصر پر مشتمل ہے۔

تخلیقی کہانیوں کی تقسیم

تخلیقی کہانیوں کی تین اہم قسمیں ہیں: (۱) وہ کہانیاں جو جدیدیت کے ساتھ قدیم عربی کہانیوں کے طرز نگارش میں لکھی گئی ہیں۔ اس قسم کی کہانیوں میں حافظ ابراہیم کی کہانی (لیالی سطیح)۔ محمد المویلحی کی کہانی (حدیث ابن ہشام)۔ مصطفیٰ صادق الرافعی کی کہانی (المساکین) اور محمد حسین ہیکل کی کہانی (زینب) سرفہرست آتی ہیں۔ (۲) وہ کہانیاں جن کے مضامین عربوں اور مسلمانوں کی تاریخ سے ماخوذ ہیں۔ اس قسم کی کہانیوں میں جمیل نخلہ کی کہانی (حضارۃ الاسلام فی دار السلام)، عبد الحمید الزہراوی، کہانی (خدیجہ ام المومنین)، معروف الارنوط کی کہانیاں اور جورجی زیدان کی لگ بھگ ۲۲ کہانیاں مثال کے طور پر (فتاۃ غسان) اور (ابو مسلم الخراسانی) اور (عذراء قریش) اور البستانی کی (زنوبیا) اور (الہیام فی ربوع الشام) خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن میں مسلمانوں کے شاندار ماضی کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ان کہانیوں میں کہانی نگار نے تاریخی واقعات وحوادث کی تصویر کشی پر زیادہ زور دیا ہے اور فن قصہ کے خصائص کا خیال کم رکھا ہے۔ اس قسم کی کہانیاں پہلی عالمی جنگ کے بعد مزید آب وتاب کے ساتھ شائع ہوتی رہیں۔ چنانچہ توفیق الحکیم کی (اہل الکہف) اور (حیات محمد) طٰہٰ حسین کی (علی ہامش السیرۃ) اور (الوعد الحق) محمد فرید ابو حدید کی (الملک الضلیل) اور (ملکۃ تدمر) اور محمد تیمور کی (الیوم خمر) اور (ابن جلا) خاص شہرت کی حامل ہیں اور عملی جاگتی مثالیں ہیں (۳) تیسری قسم کی تخلیقی کہانیاں زیادہ تر سماجی مشکلات پر مشتمل ہیں۔ اس قسم کی کہانیاں سب سے پہلے کہانی نگار سلیمان البستانی کے قلم سے لکھی گئیں اور ان کے ہی رسالہ (الجنان) میں پہلی بار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی ہیں۔ لیکن عربی کہانی میں سماجی رجحان دوسری عالمی جنگ کے بعد زیادہ مضبوط ہو گیا تھا اور اس رجحان پر مشتمل کہانیاں زیادہ سے زیادہ تعداد میں لکھی جانے لگی تھیں اور وہ خیال کی بہ نسبت حقیقت سے زیادہ قریب ہو گئی تھیں۔ اس قسم کی کہانیوں میں مصری کہانی نگار "نجیب محفوظ" کی کہانیاں خان الخلیلی، زقاق المدق، القاہرہ الجدیدہ، بین القصرین اور بدایہ ونہایہ، "السعا" کی کہانی الحصاد، امین الریحانی کی کہانیاں زنبقۃ الغور اور خارج الحریم۔ میخائیل نعیمہ کی کہانی کان ما کان یوسف السباعی کی کہانیاں الوسادہ الخالیہ اور احسان عبدالقدوس کی کہانی "انا حرۃ" نیز یوسف ادریس، عبدالحلیم عبداللہ اور خلیل تقی الدین کی کہانیاں خاصی شہرت کی حامل ہیں۔

مترجمہ کہانیوں کا تخلیقی کہانی نگاری پر اثر عربی میں مترجمہ کہانیاں یقیناً تخلیقی کہانیوں کے لئے بے حد معاون رہی ہیں[۶]۔ یہ مترجمہ کہانیاں زیادہ تر فرانسیسی، انگریزی اور روسی سے عربی میں منتقل ہوئی ہیں۔ ان مترجمہ کہانیوں کی تعداد چند سال پہلے یوسف داغر نے دس، پندرہ ہزار سے بھی زیادہ بتائی ہے۔

عربی میں مترجمہ کہانیوں کے علمبردار سلیم البستانی کے علاوہ ابراہیم الیاذجی، نجیب الحداد، شاکر شقیر، ادیب اسحاق، سلیم النقاش، فرح انطون، محمد مسعود اور طانیوس عبدہ ہیں۔ طانیوس عبدہ نے اکیلے لگ بھگ ۶۰۰ ناولیں اور مختصر کہانیوں کو تصنیف اور ترجمہ کی شکل میں پیش کیا ہے۔ مترجمہ کہانیوں کے میدان میں اسعد خلیل ماہر، جلیل بیدلیس، میخائیل نعیمہ، ابراہیم المازنی، طہٰ حسین، می زیادہ،

---

۶ دیکھو بروکلمان کی "تاریخ الآداب العربیۃ" کا تیسرا ذیل۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احمد حسن الزیات، منیر البعلبکی اور سہیل ادریس نے بھی عظیم رول ادا کیا ہے اور وہ اس میدان میں مابہ الامتیاز شان رکھتے ہیں۔ عربی میں مترجمہ کہانیاں عربی زبان کے ادباء اور قراء پر غیر معمولی مؤثر رہی ہیں۔ چنانچہ عربی میں کہانیوں کی نشوونما اور ان کے ارتقاء میں مترجمہ کہانیوں کے رول تین طرح سے واضح اور بین ہیں :

۱۔ عربی زبان میں کہانی عربی مزاج اور اجنبی اثر کے امتزاج پر قائم ہے۔

۲۔ عربی طرز نگارش اور مغربی طرز نگارش کے امتزاج سے عربی زبان میں افسانہ نگاری میں طرز خطابت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

۳۔ مترجمہ کہانیوں کی وجہ سے عرب کہانی نگار کہانی میں کردار کے نفسیات اور ان کے رجحانات کے تجزیہ پر قادر ہوگئے اور کہانی کو سماجی اچھائیوں اور برائیوں کو منظر عام میں لانے کا ایک اہم ذریعہ بنالیا۔

عربی میں تخلیقی کہانیوں کے فنی مراحل

عربی میں تخلیقی کہانی مختلف مرحلے سے گذری ہے۔ تخلیقی کہانی کی ابتدا رومانسی رجحان سے ہوئی تو اس کی نشوونما واقعی رجحان پر ہوئی اور اس کا ارتقاء نفسیاتی تجزیہ پر قائم ہوا۔ مصری نامور کہانی نگار محمود تیمور کہتا ہے "میرے بھائی محمد تیمور نے مجھے محمد المویلحی کی کہانی (حدیث عیسی ابن ہشام) اور محمد حسین ہیکل کی کہانی (زینب) کو پڑھنے کی ہدایت کی۔ جب میں نے ان دونوں کہانیوں کو پڑھا تو ان میں مجھے رومانس کی جگہ واقعیت کا رجحان ملا، جو قاری کو خیالی دنیا سے جہاں لوگ فرشتہ سیرت نظر آتے ہیں، عالم آب وگل میں لاکر کھڑا کردیتا ہے۔ جہاں انسان صرف انسان ہی پائے جاتے ہیں۔" ہمارا گمان ہے کہ اسی نصیحت کی بدولت محمود تیمور اپنی تمام کہانیوں میں انسانی زندگی کے سماجی اور اقتصادی مسائل اور مشاکل کو ہی اصل اساس بنا رکھا ہے۔ ان کی کہانیوں کا پہلا مجموعہ (الشیخ جمعہ) اسی قسم کی کہانیوں کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ محمود تیمور اپنی تمام کہانیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں انسان کی زندگی، اس کی عادات اور اس کے ماحول کی نقاشی کرتا ہوا نظر آتا ہے اور وہ عمدہ طرزِ نگارش، ممتاز زبان اور بلند خیالی کی طرف دھیان کم دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ کیونکہ یہ امور رومانٹیک ہیں۔ واقعی زندگی سے ان کا دور کا بھی رشتہ نہیں۔ جدید عربی ادب میں کہانی اپنے ارتقاء میں سستی سے تیزی، پند و نصیحت سے متعہ و لذت اور فنی تشکیل میں منتقل ہوتی گئی اور ۱۹۴۷ء میں عربی کہانی خیالی اور رومانسی مضامین کی جگہ سماجی اقتصادی اور سیاسی مقاصد پر قائم ہوگئی اور عرب افسانہ نگار عوامی مسائل و مشاکل پر مشتمل کہانیوں کو عوام تک پہونچانے کے لئے عام بول چال کی زبان کو استعمال کرنے پر مجبور ہوگئے۔ لیکن چونکہ عام بول چال کی زبان مختلف عرب ملکوں میں مختلف ہے، اور ایک عرب ملک میں عوامی زبان میں لکھی ہوئی کہانیاں دوسرے عرب ملکوں میں رائج اور مقبول نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے کچھ ہوشیار دماغ کہانی نگار جن میں طٰہٰ حسین، ابراہیم عبدالقادر المازنی اور توفیق الحکیم پیش پیش رہے ایک تیسری زبان استعمال کرنے میں کامیاب رہے۔ یہ تیسری زبان صحافی زبان سے موسوم کی جاتی ہے۔ یہ آسان اور عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ نحوی اور صرفی تعقیدات سے خالی ہے۔ طٰہٰ حسین، ابراہیم المازنی اور توفیق الحکیم نے اپنی کہانیوں میں عوام کی زندگی کی نقاشی کرنے میں عربی زبان کو لچک دار بنانے میں براعت و مہارت کا ایسا ثبوت دیا ہے کہ جو اس بات کی دلیل ہے کہ فصیح عربی زبان عصری زندگی کی آسانی اور کامیابی سے تصویر کشی کر سکتی ہے۔

مختلف مضامین، عام و خاص، سماجی و اقتصادی اور سیاسی، پر کہانیاں لکھنے میں عرب کہانی نگاروں کے سامنے اب تک جو مشکلات ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۷۔ دیکھو میرا مضمون "مصر میں عربی ڈراما کی نشوونما" مجلہ "عصری ادب" عدد جولائی ۱۹۸۱ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ عرب دنیا میں سماجی زندگی کا ڈھانچہ ایسا ہے کہ جو عورت کو ہنوز، کچھ بڑے شہروں کی معدودے فیملیوں سے قطع نظر، سماجی زندگی کے اہم مسئلوں سے دور رکھا ہے، جس کی وجہ سے کہانی نگار کو مجاز نہیں کہ وہ عورت کے اسرارِ نفس اور خلجانِ قلب کو کھل کر بیان کر سکے۔

۲۔ شرم جو مشرقی سماج پر غالب ہے عرب کہانی نگار کی ایک دوسری رکاوٹ ہے۔

۳۔ قادر اور متمکن ناقدوں کی کمی جو کہانی کے ہر خدوخال اور اس کے حسن و قبح کی نشاندہی کر سکیں جو اصلاح و تجزیہ۔ موازنہ و مقارنہ کی صلاحیت اور قواعدِ فنِ کہانی سے مسلح ہوں۔

لیکن ان خامیوں کے باوجود عربی کہانی اپنے ارتقاء میں طویل مسافت طے کر چکی ہے۔ محمود تیمور کہتا ہے:

> "پچھلی نصف صدی میں عربی کہانی ایک لمبی مسافت طے کر چکی ہے۔ یہاں تک کہ عربی کہانی اپنے مختلف نمونوں سے عالمی آداب میں کہانیوں کے آس پاس نظر آرہی ہے۔ عرب رائٹرز نیا شعور اور قومی احساس سے مسلح ہو گئے ہیں۔ اور اس طرح عرب قوم کو امید ہو گئی ہے کہ ان کا ادب دوسرے ادبی مضامین کے ساتھ ساتھ ایسی کہانیوں کا بھی حامل ہوگا جو تعبیر و تشکیل میں مشرقی ہوں گی اور مضمون و رجحان میں انسانی ہوں گی اور جو خاص عرب نفسیات اور مشرقی تجزیے پر مشتمل ہوں گی۔"

جدید عربی ادب میں افسانہ نگاری کے اساطین | جدید عربی ادب میں کہانی کی ابتداء سے لے کر پہلی عالمی جنگ تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہانی نگاروں کی فہرست لمبی ہے۔ لیکن جن کو ہم افسانہ نگاری کے میدان میں اساطین کہہ سکتے ہیں وہ ہیں : لبنان کے سلیم البستانی، فرح انطون، جمیل نخلہ، خلیل سعد، نقولا حداد، ولید البستانی، یعقوب صدوف، جورجی زیدان اور جبران خلیل جبران۔ مصر میں رفاعۃ الطہطاوی، علی مبارک، محمد المویلحی، محمد حسین ہیکل اور مصطفیٰ لطفی المنفلوطی۔

۱۔ سلیم البستانی :

سلیم البستانی (۱۸۴۸ء۔ ۱۸۸۴ء) نے اپنی مختصر زندگی میں قابل قدر تاریخی اور سماجی ناولیں لکھی ہیں: ۱۔ "الہیام فی جنان الشام" (۱۸۷۰) (جنت شام کا سفر) یہ ناول دو جوان مرد و عورت کی محبت بھری کہانی ہے۔ ۲۔ "زنوبیا" (۱۸۷۱) یعنی ملکہ تدمر۔ یہ ایک تاریخی ناول ہے جو جنگی حوادث و وقائع پر مشتمل ہے۔ ۳۔ "بدور" (۱۸۷۲) یہ کہانی اندلس میں اموی خلافت کے بانی عبدالرحمٰن الداخل کی محبت کی داستان ہے۔ ۴۔ "اسمار" (۱۸۷۳) یہ ایک لڑکی سے مختلف جوانوں کی محبت و رقابت کی کہانی ہے جو محبت و رقابت میں مواعظ و نصائح پر مشتمل ہے۔ ۵۔ "الہیام فی فتوح الشام" یہ ناول خلیفہ ابوبکر اور خلیفہ عمر فاروق کے فتوحات شام کی ایک داستان ہے۔ ان کے علاوہ "بنت العصر" عصری لڑکی (۱۸۷۵) "فاتنہ" فتنہ خیز لڑکی (۱۸۷۷)۔ "سلمیٰ" (۱۸۷۸) اور "سامیہ" (۱۸۷۴) نامی کہانیاں ہیں جو افلاطونی محبت کی داستانیں ہیں۔ یہ کہانیاں اس وقت کے مغربی کہانی کے خصائص پر قائم نہیں ہیں۔ ان میں سماجی اغراض و مقاصد ناپید ہیں۔ ان میں فنی کمزوریاں اس حد تک ہیں کہ ان کے مختلف فصول و ابواب میں وحدت نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے کہانیوں کے حوادث و وقائع ایک دوسرے سے مرتبط نہیں ہیں۔ ان میں ایسے مقالیس و موازین نہیں ہیں جو سوسائٹی کے زیادہ سے زیادہ لوگوں پر منطبق ہو سکیں اور جو سماج سے ماخوذ ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کہانیوں کے کردار صرف ان لوگوں کے تصرفات کی عکاسی کرتے ہیں جو مغربی تہذیب سے متاثر تھے۔ ان میں پتہ نہیں چلتا کہ کہانی نگار کا کوئی سماجی رجحان تھا جو زندگی کی عکاسی کرے اور جو فنی اصول پر قائم ہو۔

۲۔ فرح انطون

فرح انطون وسیع ثقافت کے حامل تھے وہ فلسفہ اور علم اجتماع میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ انھوں نے کوشش کی ہے کہ ان کی کہانیوں میں ان کا اپنا سماجی رجحان ہو، جس کے ذریعہ وہ زندگی کا اپنے ڈھنگ سے تجزیہ کرلے۔ انھوں نے اپنی کہانیوں میں عوام کو مخاطب بنایا ہے اور عوام کے مسائل اور مشاکل کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں وہ کافی حد تک کامیاب نظر آرہے ہیں۔ کیونکہ ان کا اثر دور دور تک محسوس ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں جو چیز ان کی معاون رہی ہے وہ مغربی رومانی ثقافت میں ان کی وسیع معلومات ہیں۔ چنانچہ وہ برنار دین سان پیر کی "پول ورجلینی" "شاتوبریان کی" اتالا" الکسندر دوماس (فادر) کی شیبر کا اٹھنا۔ "شیر کی چھلانگ" اور "شیر کا شکار" جیسی ناولوں کا ترجمہ کر کے عوام تک پہونچا دیا تھا۔ وہ عظیم فرانسں انقلاب کے اصول ومبادی، نیز "اوگست کانت" اور "سان سیمون" کے نظریات سے اپنی کم عمری ہی میں بے حد متاثر ہو گئے تھے۔ ان کے ناولوں میں "نیا اورشلیم" (۱۹۰۴) خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں انھوں نے تاریخی حوادث کا سماجی اور فلسفی تجزیہ کیا ہے۔ اس ناول میں انھوں نے فوجی کاروائیوں کو اس طرح پیش کیا ہے کہ جس سے عیسائی جوان اور یہودی کے دو دلوں میں ملاپ ہو سکا ہے۔ ان کی پرخلوص کوشش کے باوجود ان کی کہانیاں فنی معیار پر قائم نہیں ہو سکی ہیں۔

۳۔ نقولا حداد

نقولا حداد نے بھی کوشش کی ہے کہ ان کی کہانیاں "شریف چور"، "قسمت"، "نئی حوا" اور "نیا آدم" کہانی کے جدید معیاروں پر قائم ہوں، مگر اس میں ان کو کامیابی نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو سکی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے عہد کا تقاضا ہی ایسا تھا۔ کیونکہ یہ دور جدید عربی ادب میں کہانی اور ناول کے داغ وبیل کا دور تھا۔

۴۔ جورجی زیدان

جورجی زیدان کی تمام کہانیاں تاریخی ہیں جو اموی، عباسی، ایوبی اور خلافت عثمانیہ کے عہدوں کے اہم ترین مسائل اور شخصیات پر مشتمل ہیں۔ انھوں نے ۱۸۹۱ء سے لے کر ۱۹۱۴ء تک تک بھگ ۲۱ ناولیں لکھی ہیں۔ ان ناولوں میں انھوں نے اسلام اور عربوں کے تاریخی واقعات کو ادب کے ساتھ اس طرح خلط ملط کر دیا ہے کہ جس سے عرب دنیا اور عالم اسلامی کے عوام میں کہانی اور ناول کے میدان میں ایک عام ذوق کی تخلیق ہوئی ہے۔

۵۔ جبران خلیل جبران

جبران غریب ماں باپ کا تیسرا بچہ ہے۔ جو اپنی ماں، بھائی اور بہن کے ساتھ معاش کی تلاش میں امریکا ہجرت کر گیا تھا۔ جبران پہلا عرب ادیب ہے جو عربی کہانی کو ابتدائی مرحلہ سے آگے ڈھکیل دیا تھا۔ انھوں نے "شاداب سرزمین کی کنیاں"، "انقلابی روحیں"، "طوفانیں" اور "ٹوٹے پر" جیسی کہانیوں کے ذریعہ عربی زبان اور عرب، دنیا کو نئے ادبی ذوق، نئے مضامین اور نئے سیاسی، سماجی اور مذہبی تجربات سے مالا مال کیا ہے اور ان کو اس وقت کے بوسیدہ سماجی، سیاسی اور مذہبی قیود سے آزاد ہونے کا انقلابی جذبہ دیا ہے۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com